ایسے ناگفتہ بہ حالات میں جو لوگ بھی احیائے دین اور علمِ صحیح کی نشر و اشاعت پر کمربستہ ہو جائیں وہ شرعی اعتبار سے مُجاہدین فی سبیل اللہ ہیں۔ اور ایسے مجاہدین کی بھرپور مدد کرنا ملّتِ اسلامیہ کا شرعی و اخلاقی فریضہ ہے۔

واضح رہے دورِ جدید کے مزاج کے مطابق علمی و تحقیقی کام کرنے کے لئے باصلاحیت علماء اور فارغین کی ضرورت ہے۔ جن کو معقول وظائف دے کر تحقیقی کاموں میں لگانا چاہئے، تاکہ وہ صحیح خطوط پر کام کر سکیں۔ اور اس کے نتیجے میں نئے قسم کے محققین و مصنفین کی ایک جماعت تیار ہو۔ اور ایسے لوگوں کو ملّت کے لئے وقف ہو کر کام کرنا چاہئے۔ تب جا کر صحیح نتائج نکل سکتے ہیں۔ مگر اس کارِ عظیم کے لئے ملّت کو بھی قربانیاں دینا چاہئے اور ایسی خصوصی جماعت کا خاص خیال رکھتے ہُوئے انہیں فکرِ معاش سے پوری طرح مستغنی کر دینا چاہئے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ فکرِ معاش سے بے نیاز ہُوئے بغیر کوئی شخص پُوری یکسوئی کے ساتھ اپنے آپ کو اس کام کے لئے وقف نہیں کر سکتا اور پورے انہماک کے ساتھ کام نہیں کر سکتا۔ اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ بغیر یکسوئی اور انہماک کے کوئی ٹھوس نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ اس طرح یہ عظیم کام ادھورا رہ جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ موجودہ دور میں نتائج جو صفر درجہ پر نظر آرہے ہیں تو اس کی سب سے بڑی وجہ علم کی ناقدری اور کس مپرسی ہے۔ ہماری ملت نام و نمود اور کسی وقتی و ہنگامی ضرورتوں پر خوب داد و دہش کا مظاہرہ کرتی ہے اور فسادات کے موقع پر کچھ سخاوت بھی دکھاتی ہے، مگر ٹھوس علمی کام کی طرف کوئی بھی توجہ نہیں کرتا، جو دین و ملّت کی مضبوطی اور اس کے استحکام کا باعث ہے۔

غرض اس مشکل مسئلہ کا واحد شرعی حل یہی ہو سکتا ہے کہ ایسے لوگوں کی زکاۃ کی رقم سے بھرپور مدد کی جائے، جو دین و ملّت کے لئے وقف ہو کر کام کر رہے ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس اقدام کے بغیر یہ عظیم کام انجام نہیں پا سکتا۔ اور جیسا کہ پچھلے مباحث میں (خاص کر کتاب کے حصہ اول میں) گزر چکا "دینی خدمت گاروں" کو زکاۃ دینا نہ صرف قرآن اور حدیث سے بلکہ خود فقہ اسلامی سے بھی ثابت ہے۔ خاص کر علامہ علاء الدین حصکفیؒ (صاحب درمختار) اور علامہ ابن عابدین شامیؒ (صاحب ردّ المحتار) کی تصریحات سے۔ لہٰذا اہلِ علم کو زکاۃ کی رقم دینا فقہی و شرعی اعتبار سے کوئی نیا مسئلہ یا "بدعت" نہیں ہے، جیسا کہ مدعیٔ تحقیق کا دعویٰ ہے۔ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ

جہاد کی ایک قسم مالی جہاد بھی ہے

پچھلے صفحات میں علامہ ابن قیمؒ (م ۷۵۱ھ) اور حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) کے حوالے سے تفصیل گزر چکی ہے کہ کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کے چار مراتب ہیں جو یہ ہیں: (۱) ہاتھ کے ذریعہ، یعنی ہتھیاروں کے ساتھ عسکری طور پر۔ (۲) زبان کے ذریعہ، یعنی علمی و استدلالی طور پر۔ (۳) مال کے ذریعہ۔ یعنی جہاد کے لئے مالی امداد فراہم کرکے۔ (۴) اور قلب کے ذریعہ[۴۴] یعنی مذکورۂ بالا تینوں میں سے کسی ایک کی بھی استطاعت موجود نہ ہو تو پھر مشرکانہ و ملحدانہ افکار و اعمال کو دل میں بُرا تصوّر کرنا۔ اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔

اس لحاظ سے جہاد کی چوتھی قسم (جہاد بالقلب) ایک شخصی اور داخلی معاملہ ہے۔ جب کہ پہلی تین قسمیں ملّی و اجتماعی نوعیت کی حامل ہیں۔ مالی جہاد کا ثبوت قرآن اور حدیث کے حسبِ ذیل نصوص سے ملتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ: جو لوگ ایمان لائے اور اپنا گھر بار چھوڑا، پھر اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعہ جہاد کیا، اور جن لوگوں نے اُن کو (رہنے کی) جگہ دی اور ان کی امداد کی، وہ (سب) آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ (انفال: ۷۲)

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاھِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: تم ہلکے ہو یا بوجھل (جس حال میں بھی ہو) نکل پڑو اور اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ یہ بات تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھ سے کام لو۔ (توبہ: ۴۱)

اور بعض حدیثوں میں مذکور ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:

اَیُّ النَّاسِ اَفْضَلُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مُؤْمِنٌ یُجَاھِدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِنَفْسِہٖ وَمَالِہٖ: کونسا شخص افضل ہے؟ تو فرمایا کہ مومن جو اللہ

---

[۴۴] دیکھئے زاد المعاد از ابن قیم ۳/۱۱، مؤسسۃ الرسالۃ، فتح الباری از ابن حجر ۶/۳

کے راستے میں اپنی جان اور اپنے مال کے ذریعہ جہاد کرتا ہے۔[۴۵]

اور دوسری حدیث میں ہے : قَالَ مَنْ جَاهَدَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جس نے اپنے نفس اور مال کے ذریعہ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔[۴۶]

اس قسم کی آیات واحادیث اور بھی ہیں۔ اور ان سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں : (۱) جہاد صرف جسمانی اعتبار ہی سے نہیں بلکہ وہ مالی اعتبار سے بھی ہو سکتا ہے۔ (۲) جو لوگ مالی اعتبار سے جہاد کرنے والوں کا ساتھ دیں وہ بھی گویا کہ "مجاہدین" میں شامل ہیں۔ اس طرح ملی و اجتماعی حیثیت سے جہاد کرنے والوں کی تین قسمیں ہوئیں۔ مگر اصل مجاہد صرف دو ہی ہیں :

۱۔ دین کی سربلندی کے لئے اللہ کی راہ میں لڑنے والا ؛

۲۔ دین کی سربلندی کے لئے اللہ کی راہ میں علمی جدوجہد کرنے والا۔

اب رہے مالی امداد کرنے والے تو وہ بھی اگرچہ دین کی سربلندی میں معاونت کرنے کے اعتبار سے مجاہد ضرور ہیں مگر اصطلاحی طور پر اُن کا اطلاق مجاہدین پر نہیں ہوتا۔

امام جصّاص رازیؒ (م ۳۷۰ھ) اس سلسلے میں تحریر کرتے ہیں کہ جہاد بالمال کی دو شکلیں ہیں : ایک شکل یہ ہے کہ جنگ کے لئے ہتھیار وآلات وغیرہ کی تیاری کی خاطر کوئی شخص خود اپنے آپ پر مال صرف کرے۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ کسی دوسرے مجاہد کے لئے بطور امداد مال فراہم کرے۔[۴۷]

علمی جہاد اصل وافضل : علامہ جصّاص کی تحقیق

اب سوال یہ ہے کہ ان تینوں قسم کے جہاد میں کونسا جہاد افضل اور دین و ملّت کے لئے زیادہ نفع بخش ہے ؟ تو اس سلسلے میں محققین کی رائے یہ ہے کہ علمی جہاد اصل ہونے کی بنا پر جسمانی و مالی جہاد سے افضل ہے۔　　　　(جاری ہے)

---

[۴۵] صحیح بخاری کتاب الجہاد ۲۰۱/۳

[۴۶] سنن نسائی ۱۱/۶

[۴۷] احکام القرآن، جصاص رازی ۱۱۸/۳، دار الکتاب العربی بیروت

گلریز کا اخلاقی و عرفانی پہلو

ڈاکٹر صفیہ جاریہ انیس، ریسرچ انسٹیٹیوٹ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۲)

چنانچہ روز مقررہ نوشلب اپنی ماں کے ساتھ ملک بحرین آئی اور نازمست کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئی اور عفریت سے آزاد ہو جانے کی باتیں سنیں تو پوچھا کہ وہ شخص جس نے عفریت کو مارا وہ وہاں کیوں اور کیسے پہنچا۔ تب نازمست نے عجب ملک کی تمام داستان سنا دی جسے سنکر وہ حیرت زدہ ہوئی اور بولی "شرائط محبت و مراسم مودت آنست کہ تشنگان بادیہ محبت را از شربت مشرب وفا ممتلی باید داشت و متعطشان کلیہ مودت را از زلال منہل رضا سیراب باید گردانید" عجب ملک کو دور سے دیکھ کر نوشلب اس کے حسن پر فریفتہ ہو گئی۔ ؎

چوں عشق در آید زرہ دیدہ در دل
از روزن دل برون رود صبر و سکوں

اُدھر جب عجب ملک نے نوشلب کے آنے کی خبر سنی تو ایک خوشی کا نعرہ لگایا اور بے ہوش ہو گیا۔ پھر جب اسے ہوش آیا تو سامنے جلوۂ محبوب دیکھ کر دوبارہ بے ہوش ہو گیا۔ درحقیقت عجب ملک وادی توحید سے گزر کر اب وادی حیرت میں تھا۔ ؎

در عالم قرب حیرت از بعد گذشت
نزدیکاں راہیش بود حیرانی

عجیب ملک پر عالم حیرت طاری ہے۔ جلوۂ دوست سے نگاہیں خیرہ ہوگئی ہیں اور اس کے ہوش و حواس جواب دے چکے ہیں اور وہ ارد گرد کے حالات سے بے خبر بے ہوش ہے۔

"آری اگرچہ دل عشاق صادق و دیدۂ طلاب مطابق را آتش شدائد بسوزند و بناوک محاہدت بدوزند نہ زلف مصافات از دست دل بگذارند و نہ دیدہ از مشاہدۂ دوست بردارند"

اس وادی سے نکل کر سالک آخری منزل تک جا پہنچتا ہے جو وادی فنا کے نام سے صوفیہ کے نزدیک جانی جاتی ہے اور جسے ضیاءالدین نخشبی نے وصال سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ جب عجیب ملک ہوش میں آیا تو اپنی تمام سرگزشت نوشلب کو سنائی اور نوشلب نے بھی اپنی بے قراری کا اظہار کیا اور "آخر کار دو عاشق سرمست بعد تحمل شدائد فراق و تجرع اقداح اشتیاق چوں بہ مواصلت یک دیگر قادر شوند در مرافقت یکدگر قاہر گردند شہپ خوشی چہ شکل تازند و نرد خرمی چگونہ بازند" اس وادی میں پہنچ کر سالک اپنی ہستی کو فنا کر دیتا ہے اور ذات حق میں خود کو گم کر دیتا ہے۔

داستان کا آغاز معصوم شاہ کی ولادت سے کیا گیا تھا اور نوشلب کی زبانی داستان میں عجیب ملک کو سلوک کی ساتوں مراحل سے گزارا گیا جن کے نام بالترتیب اس طرح ہیں۔ اوّل وادی طلب، دوم وادی عشق، سوم وادی معرفت، چہارم وادی استغنا، پنجم وادی توحید ششم وادی حیرت، ہفتم وادی فنا۔ ان وادیوں کے تمام احوال اور صوفیانہ نکات کو نہایت دلآویز طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔ مقام فنا کے بعد ایک اور مقام آتا ہے جو مقام بقا کہلاتا ہے یعنی فنا کے بعد روح باقی رہتی ہے اور ذات حق سے مل کر اسے حیات باقی مل جاتی ہے اور اسے مقام بقا حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ضیاءالدین نخشبی نے داستان یہیں پر ختم نہیں کی بلکہ اسے جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب دیر ہو گئی تو نوشلب کی ماں کو نوشلب کی فکر لاحق ہوئی اور اسے تلاش کرتی ہوئی باغ میں اس مقام پر پہنچ گئی جہاں نوشلب اور عجیب ملک ایک دوسرے کی گردن میں ہاتھ ڈالے ہوئے سو رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر وہ نہایت چراغ پا ہوئی۔ اور دونوں کو سوتی ہوئی حالت میں الگ کر کے اپنے اپنے وطن پہنچا دیا۔ گھر آکر ملکہ جن نے جب بیٹی کو عجیب ملک کی یاد میں آنسو بہاتے دیکھا تو غصے کی حالت میں اسے مرغ بنا دیا جو ... سر لکہ دستے

سال کا زمانہ گزر گیا عجب ملک نو بہت تلاش کیا مگر کچھ پتہ نہ چلا معصوم شاہ کو دیکھ کر عجب ملک کی مشابہت پائی تو نیچے اتر آئی اور خود کو محبوس کروالیا۔ مرغ سے یہ غزدہ داستان سن کر معصوم شاہ نہایت متاثر ہوا اور نوشلب سے وعدہ کیا کہ وہ اس کی ماں کے پاس لے لیجائے گا اور جب تک وہ اسے اصلی حالت میں نہیں لے آتی وہ اصرار کرتا رہے گا۔ چنانچہ بیابانوں اور صحراؤں کو طے کرتے ہوئے اور پریشانیوں کو برداشت کرتے ہوئے معصوم شاہ قفس میں نوشلب کو لیے ہوئے بیت الامان پہنچا۔ ملکہ جن نے جب قفس میں اپنی نحیف و نزار بیٹی کو دیکھا تو مادرانہ شفقت عود کر آئی اور بے قراری کے ساتھ اسے باہر نکال کر اصلی صورت میں کر دیا اور گلے لگا کر بہت روئی پھر معصوم شاہ سے اس کا عقد کرنا چاہا تو معصوم شاہ نے کہا کہ وہ میری بہن جیسی ہے اس کا نکاح تو عجب ملک سے ہی ہونا چاہیے۔ چنانچہ ملک بحرین ایک خط عجب ملک کے سلسلے میں بھیجا گیا۔ اتفاق سے عجب ملک بھی نوشلب کی تلاش میں سرگرداں ملک بحرین پہنچ گیا اور نوشلب کی ماں عجب ملک اور نوشلب کی شادی شاہانہ طور پر کروا دیتی ہے اس طرح دونوں کو منزل مقصود مل جاتی ہے۔ دریں اثنا معصوم شاہ کی نظر نازمست پر پڑی تو وہ اس کا شیفتہ ہو گیا عجب ملک بحرین کے بادشاہ کو معصوم شاہ اور نازمست کی شادی کے لئے راضی کر لیتا ہے، اور راسخ کی شادی نازمست سے ہو جاتی ہے اور ہر ایک گوہر مقصود حاصل کر کے اپنے وطن واپس ہو جاتے ہیں۔ داستان کا خاتمہ ان الفاظ پر ہوتا ہے۔ " عاقبت بکرم حضرت آفریدگار خالق لیل و نہار آن مجلس بشادی تمام بدل شد و ہم آں جمع بسوز تمام عوض گشت خود ہیچ نفتوری نیست کہ در بی آں سوزی نی و ہیچ غمی نیست کہ در عقب آں سروری نہ، و باقی عمر در رفاہ و فرصت بہجت و استراحت آخر رسانیدند۔ کریم متعال و قادر بے کمال جملہ راد لی بی غم و دلی بے غم کرامت کند آمین یا رب العالمین برحمتک یا ارحم الراحمین" لـه

(ختم شد)

محمد افضل لذتی کے کمیاب اشعار

ڈاکٹر نورالسعید اختر، ایم اے، پی ڈی لٹ (اردو) ڈی لٹ (فارسی)
شعبۂ فارسی، مہاراشٹر کالج، بمبئی۔

(الف)

عہد: ۔ کرناٹک (جنوبی ہندوستان) میں نوائط خاندان کے اقتدار کے بعد بیجاپور اور حیدرآباد کے شعراء و فضلاء وہاں کشاں کشاں پہنچے۔ نواب سعادت اللہ خاں بن محمد علی ۲۸ اپریل ۱۶۵۱ء میں بیجاپور میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے آباء و اجداد چودھویں صدی عیسوی میں بصرہ سے ہندوستان کے جنوبی ساحل کونکن میں آکر بس گئے تھے۔ ان کے بڑے بھائی نے بیجاپور کے عادل شاہوں کے یہاں ملازمت اختیار کرلی تھی ۱۶۶۸ء میں بیجاپور کے سقوط کے بعد ان کے بڑے بھائی نواب غلام علی خان کوٹلہ کے قلعدار مقرر کیے گئے تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی محمد سعید کو اورنگ زیب نے داؤد خان پنی کا دیوان مقرر کیا تھا۔ داؤد خان پنی کو اورنگ زیب نے واپس بلالیا اور ان کی جگہ نواب سعادت اللہ خاں کو کرناٹک کا صوبیدار بنادیا۔ ان کے فرزند نواب باقر علی خان نے ۱۱۵۲ھ میں انتقال کیا اور ویلور میں دفن ہوئے اس واقعہ کے بعد نواب سعادت اللہ خاں نے جنجی کے قلعہ

کو دوبارہ فتح کیا اور اپنی سیاسی ساکھ قائم کی۔ اس سے قبل وہ حیدرآباد کے ناظم نواب مبارز خاں کے ماتحت تھے ۱۷۲۴ء میں ان کے انتقال کے بعد نواب سعادت اللہ خاں نے نظام الملک کو اپنا مربی بنالیا ۱۷۳۲ء مطابق ۱۱۴۵ھ میں نواب سعادت اللہ خاں کا انتقال ہوا۔ اور ارکاٹ میں مدفون ہوئے۔ ان کے کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ لہٰذا ان کے بھتیجے دوست علی خاں جانشین بنے۔ اس جانشینی کی تصدیق نظام الملک اور مغل شہنشاہ محمد شاہ نے بھی کی ۱۷۴۰ء مطابق ۱۱۵۳ھ میں دوست علی خاں مارے گئے۔ ان کے فرزند نواب صفدر علی خان بھی دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ نواب صفدر علی خاں کے فرزند محمد سعید کو نظام الملک نے جانشین مقرر کیا لیکن بدقسمتی سے ۱۷۴۴ء مطابق ۱۱۵۷ھ میں وہ بھی قتل ہوئے۔

نواب سعادت اللہ خان کا دورِ حکومت گوکہ طویل نہیں تھا تاہم ان کی ادبی و علمی کارگذاریوں نے ارکاٹ کو ایک ادبی مرکز کی حیثیت بخش دی تھی۔ اس مختصر دور میں عربی و فارسی زبان کو خاطر خواہ فروغ حاصل ہوا۔ کرناٹک کے اکثر نواب علم وادب کے شیدا تھے۔ خصوصاً نواب غلام علی خان اور نواب باقر علی خان نے فارسی شعر وادب کی اپنے ہاتھوں سے آبیاری کی شعراء کی سرپرستی اور قدردانی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ پروفیسر محمد یوسف کوکن ان نوابین کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ :

"They (Nawabs of Carnatic) themselves were great scholars and were surrounded by the select band of Scholars and Poets. who were engaged in exibiting the literary and intellectual ... genius and merits."(1)

---

(1) Arabic & Persian in carnatic Prof yusuf Kokan Page. 13.

(ب)
محمد افضل لذّتی کا تعارف :-

محمد افضل لذّتی سے متعلق ہماری معلومات نہایت محدود ہیں. صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ دہلی کے امراء میں سے تھے ۔ نواب سعادت اللہ خان کے عہد میں کرناٹک پہنچے اور پھر ارکاٹ میں تاحیات رہے ۔ وہ ایک بلند پایہ شاعر اور ادیب تھے ۔ انھوں نے "چندر بدن اور مہیار" کے مشہور عشقیہ قصّہ کو نظم کیا تھا ۔ پروفیسر محمد یوسف کوکن نے رائق کے تذکرے "گلدستہ" کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ رائق نے لذّتی کی مثنوی "چندر بدن اور مہیار" دیکھی تھی لیکن وہ اس کے اقتباسات نقل کرنے سے قاصر رہے ۔ بقول رائق "یہ مثنوی نہایت شاندار اور بیشتر ادبی خصوصیات کی حامل تھی"۔

نواب سعادت اللہ خان لذّتی کے مداح اور قدر دان تھے ۔ ان کی کوششوں سے علی دوست محمد کی لڑکی لذّتی کے فرزند سے بیاہی گئی تھی ۔ افسوس ہے کہ جنوبی ہند کے سارے تذکرے لذّتی کے سن پیدائش اور انتقال کی بابت خاموش ہیں ۔

تذکرۂ گلزار اعظم میں لذّتی کے تین شعر بطور نمونہ درج ہیں ؎

(۱) صبح وبہار والف (غنچہ) وگل فرش راہ اوست
لسرین ولالہ خاروخس جلوہ گاہِ اوست

(۲) شب کہ آہم علم شعلہ چو برپا می کرد
برق پیری (؟) زود از دور تماشا می کرد

(۳) سینہ چیثمی کہ بسمل داری زقصم ز شمشیرش
ہوا را سرمہ دان سازد معلقہائے نخچیرش

(اربیک اینڈ پرشین ان کرناٹک از کوکن صفحہ نمبر ۵۱) الفلے جلوہ گل (انتخاب: بمبئی یونیورسٹی)

انتخاب اشعارِ لذّتی :-

بمبئی یونیورسٹی کے مخطوطات میں لذّتی کے نایاب و نادر اشعار کا انتخاب موجود ہے ۔

پروفیسر سرفراز[1] کے مرتب کردہ کیٹلاگ میں اس سے متعلق مندرجہ ذیل معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ لذّتی کے اشعار انتخاب ایک مجموعہ میں درج ہے جس کا کیٹلاگ نمبر Vol No. 92 ہے اس مجموعہ میں مندرجہ ذیل شعراء کا انتخاب بھی موجود ہے۔

(۱) انتخاب دیوان سالک یزدی۔ صفحہ نمبر ۱۵۲
(۲) " " محمد افضل لذّتی " " ۱۵۳
(۳) " " ہندو " " ۱۵۴
(۴) " " جلال اسیر " " ۱۵۵

سرفراز صاحب نے لذّتی کے انتخاب دیوان کے ایک اور مخطوطے کی نشاندہی کی ہے۔ یہ انتخاب رائل ایشیاٹک[2] سوسائٹی کلکتہ میں موجود ہے۔ ایوانوف کے مطابق اس کا کیٹلاگ نمبر 766 ہے۔ راقم اس مخطوطے کی نقل حاصل کرنے میں کوشاں ہے۔

(د)

لذّتی کے معاصرین :-

(۱) لذّتی کے معاصرین میں شیخ محمد امین اسرائیلی کا نام سرفہرست آتا ہے۔ امین نے نواب سعادت اللہ خان کی مدح میں قصیدے کہے ہیں۔ دیوان نادرالوجود ہے۔ جسونت رائے منشی کے سعید نامہ میں چند اشعار ملتے ہیں اور جنوبی ہند کے تذکروں میں حوالے بھی پائے جاتے ہیں۔

(۲) جسونت رائے منشی : عالمگیر نامہ میں آپ کے آباء واجداد کے کارناموں کا ذکر ملتا ہے۔ جالیت پنجاب کے رہنے والے تھے۔ نواب سعادت اللہ خاں کے پیشکار اور سوانح نگار

۱۔ Descriptive catalogue of the Arabic, Persian and urdu Manuscripts by S. A. K. Sarfaraz Page No 232 (Si 27.9x3.7) LL. 23-26 Nastaliq diagonal & vertical lines))

2- 1VS-I. No766. Ivanovs Vol 1. Asiatic Society ...

تھے۔ عربی و فارسی پر کامل دستگاہ تھی۔ چنانچہ پروفیسر کوکن ان کی تعریف میں کہتے ہیں: "His Poety is full of lofty thoughts and ideals and contain freshness in the lengvage. (1)

منشی نے ملک الشعراء غواصی کی مثنوی "سیف الملوک بدیع الجمال" کا فارسی میں "گل کدۂ عشق" کے نام سے ترجمہ کیا اور "لعل و ہیرا" کے نام سے ایک اور مثنوی لکھی۔ ان کا دیوان شائع ہو چکا ہے۔

(۳) قزلباش خان امید:۔ مرزا محمد رضا اصلی نام تھا۔ ہمدان کے رہنے والے تھے۔ مرزا طاہر وحید کے شاگرد تھے۔ عہدِ اورنگزیب میں ملازمت اختیار کی۔ بہادر شاہ نے انھیں قزلباش کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ نواب سعادت اللہ خاں نے بڑی پذیرائی کی۔ نظام الملک کی مدح میں قصیدے کہے اور اس کے عوض قید سے رہائی اور قلعۂ نی مارک کے قلعدار مقرر ہوئے۔ حج بیت اللہ کے بعد حیدرآباد لوٹ آئے۔ نظام الملک کے ہمراہ دہلی گئے۔ جہاں ۱۱۴۲ھ مطابق ۱۷۵۰ء میں انتقال کیا۔ دیوان شائع نہیں ہوا۔

نمونہ کلام: از سینہ سختی بہ دستاں نداند عزتی نیست ہر گز سرمہ را در شہر نوران قیمتی

(۴) نواب غلام علی خان:۔ نواب سعادت اللہ خان کے بڑے بھائی تھے۔ ایک طویل مثنوی بنام "لمعات الطاہرین" قلمبند کی۔ اس میں اہلِ نوائط کی تاریخ پر بھی روشنی ڈالی۔ ملاحظہ کیجیے:

بکلیان و بھونری ایران شمار در آنجا زاسلام سکہ زدند
ہمیشہ ہور کلیان و تھانہ جزیر باکشن لوندہ بہ دہند نہ متیر
ز ابراہیم جیبول الاچی نام سیوائے ملبوار کردہ مقام

یہ مثنوی ۱۶۹۶ء مطابق ۱۱۰۸ھ میں مکمل ہوئی۔ ۱۷۱۶ء مطابق ۱۱۲۸ھ میں نواب علی کا انتقال ہوا۔

(۵) نواب باقر علی خاں :۔ نواب غلام علی خان کے فرزند اور نواب سعادت علی خان کے بڑے بھائی تھے ۔علم وادب سے گہرا لگاؤ تھا ۔ کٹر شیعہ تھے ۱۷۲۲ء مطابق ۱۱۳۵ھ میں "رموز الطاہرین" نامی مثنوی مکمل کی ۱۷۳۹ء مطابق ۱۱۵۲ھ میں انتقال کیا۔

(۶) زین العابدین خاں دیوان :۔ نواب سعادت اللہ خان کی بہن مُنّا صاحبہ کے فرزند تھے۔ ۱۷۳۹ء مطابق ۱۱۵۲ھ میں مرہٹوں کے ہاتھوں شہید ہوئے ۔ فارسی کے عالم اور اعلیٰ پایہ کے شاعر تھے ۔ خود کا فارسی دیوان مرتب کیا تھا ۔ دکنی اُردو میں شعر بھی کہتے تھے ۔ نمونہ کلام ملاحظہ کیجئے ؎

جہان پر شد ز آواز عقیدت ھای من دیوان مرید حافظ غیب اللسان فکر جوان من

(۷) شیخ صداقت اللہ (۱۰۴۲ھ تا ۱۱۱۵ھ) ۔ ان کے آباء و اجداد مصر سے جنوبی ہندوستان آئے تھے ۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکرؓ سے ملتا ہے ۔ تامل زبان پر عبور حاصل تھا ۔ اس زبان میں اسلامیات پر کئی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں ۔ عربی ہی میں شاعری کرتے تھے ۔ اورنگ زیب نے آپ کو مدراس کا قاضی القضاۃ بنانا چاہا ۔ آپ نے اپنے فرزند کا نام پیش کیا جسے بادشاہ نے قبول فرمایا ۔ ۱۱۳۰ھ میں آپ نے انتقال فرمایا ۔

(۸) میر مرتضیٰ منزدی (۱۱۰۳ھ تا ۱۱۷۳ھ) سید محمد مدنی کے فرزند تھے ۔ کوکن میں پیدا ہوئے ۔ نہایت تنک مزاج تھے ۱۱۵۷ھ میں ایک مثنوی بنام "پنج گنج" تحریر کی ۱۱۷۳ھ میں ارکاٹ میں انتقال کیا ۔

اشعار پر تنقیدی نظر

اب تک ہمیں لذتی کے صرف ۹۶ اشعار دستیاب ہو سکے ہیں ۔ جن میں تذکرۂ گلزارِ اعظم سے ۲ اور ۹۴ بمبئی یونیورسٹی لائبریری کے ایک مخطوطہ میں محفوظ ہیں کسی اچھے سے متعلق کوئی رائے کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کا ضخیم دیوان ہی پیشِ نظر ہو ، ورنہ مرزا غالب یوں ہرگز نہ کہتے : ع

مرزا غالب کی بھی بے رنگی سارے اردو ادب پر حاوی ہے ۔ لہٰذا لذتیؔ کا مختصر سا دریافت شدہ کلام نہ صرف ان کے ایک اعلیٰ پایہ کے شاعر ہونے کا اعلان کرتا ہے بلکہ دوسری طرف یہ سرمایہ ہندوستانی فارسی شاعری کا ایک گرانقدر ورثہ بھی ہے ۔

یہ امر واضح رہے کہ گیارہویں صدی ہجری میں جنوبی ہندوستان میں فارسی شعر و ادب کی آبیاری نوابین کے ہاتھوں ہو رہی تھی ۔ لذتیؔ اس محفل کے شمعِ فروزاں تھے ۔ اپنے معاصرین میں وہ اعلیٰ و ارفع مقام رکھتے تھے ۔ نواب سعادت اللہ خان کی ان پر خاص نظرِ عنایت تھی ۔ لہٰذا لذتیؔ کے کلام سے فارسی شعر و ادب میں شیرینی، شگفتگی، حلاوت اور ملاحت کا اضافہ ہو رہا تھا ۔ عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی کی چاشنی سے اُن کے اشعار "قند پارسی" بنے ہوئے تھے ۔ سلاست، روانی اور شعریت نے اُن کے اشعار کو جلا بخشی تھی ۔ عشق و عاشقی کے رموز و غوامض کی عقدہ کشائی لذتیؔ کا خاصہ تھا اسی لئے غمہائے روزگار کی کسک اور دردِ دل کی چبھن جا بجا اُن کے اشعار میں نمایاں ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ لذتیؔ کے یہاں روایتی انداز موجود ہے تاہم اُن کے بانکپن اور انوکھے پن سے ایک عجیب سا تاثر پیدا ہو جاتا ہے ۔ لذتیؔ کے اشعار کی گوناگوں صفات اُن کے فکرِ سخن کی نبض تھام کر ایک منفرد لب و لہجہ اور آہنگ کا اعلان کرتی ہے ۔ ملاحظہ کیجئے ۔

چو فکرِ لذتیؔ نبضِ سخن بگرفت از شوخی
شفا سنجِ معانی شد فلاطونِ ملازم ہا

لذتیؔ کی انوکھی تراکیب سے شعر کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے ۔ ذیل کے شعر میں "موجِ خرام" اور "زخمِ تیشہ" کی تراکیب غور طلب ہیں ۔ ملاحظہ کیجئے

جوئے شیریں آب از موجِ خرامت یافتہ
زخمِ تیشہ جام پرویز است فرہاد ترا

"غبارِ شہد" کی توصیف میں مبالغہ آمیز انداز میں کہتے ہیں ۔

بلا گردان شوم تیغِ نگاہِ دل شکارانرا

اپنے "کیش و ملت" کی بابت رقمطراز ہیں۔

لذتی را کیش و ملت پیش زین درکار بود
بعد تحقیق آفتِ این کار شد فرہنگہا

لذتی کا صوفیانہ رنگ و آہنگ بے حد جاذبِ نظر ہے۔ چنانچہ وہ والہانہ انداز میں کہتے ہیں۔

جوشش بہار آئینۂ عکس روی کیست
نقشِ چمن، سبوی می، رنگ و بوی کیست
گلشن وضو گرفتہ ز سر جوشِ خونِ دل
مستِ نماز آمدہ از خاک کوئی کیست

سالکی کز ظلمتِ ہستی بروں دارد سفر
ہر قدم از نقشِ پایش آفتاب آید بروں

شاعرانہ تعلّی کے زعم میں لذتی حافظ شیرازی کا تتبع کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

در عراق افتاد غوغا زین غزل گر پیش زین
شورِ نظمِ لذتی از ہند تا بنگالہ بود

لذتی کو شوق کی بے باکی عشق و عاشقی کے آداب کی تعلیم ان الفاظ میں دیتی ہے۔

بیا بوس کہ اقبالِ محبت می بُرد ما را
کہ بے باکیِ شوقم میدہد تعلیم آدابم

شوخ و شنگ محبوب کے زلفِ گرہ گیر کی نسیم، لذتی کی سوئی ہوئی قسمت کو کیسا نادر و انوکھا تحفہ پیش کرتی ہے ملاحظہ کیجیے:

سراسیمہ چو بخت لذتی برخاستہ از خوابم

لذتی کے یہاں "چاشنی عافیت" عشق کے مذاق اور مزے کو تلخ تر کر دیتی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔

چاشنی عافیت تلخ کند مذاق را
کاشنی درد را زکی چشیدن دہیم

لذتی کا ہر حرف گویا اُن کا داغِ جگر ہے۔ جس سے ہمہ وقت خون رستا رہتا ہے۔ لہذا وہ کہتے ہیں۔

از رقم لذتی داغِ جگر می چکد
دامنِ قرطاس را لالہ دمیدن دہیم

لذتی کا دل عشق کا مسکن ہے "داغ" اور "لالہ" جیسے الفاظ کی تکرار سے انھوں نے انوکھی بات پیدا کی ہے۔ بادہ نوشی کے لیے عمر خیام کے انداز میں جو جواز پیدا کیا ہے وہ بھی قابلِ ستائش ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

ہوای باغِ دلم بسکہ عشق پرور است
ز داغ لالہ و از لالہ داغ می روید
بنوش بادہ کہ عرصۂ چمن شبہا
ز آتشِ رخ گل صد چراغ می روید

رندی و مستی کی انتہا کو پہنچ کر لذتی روزِ محشر کس انداز میں اُٹھنا چاہتے ہیں، اس کی منظر کشی ذیل کے شعر میں دیکھیے:

لذتی فردائے محشر چون برآرد سر ز خاک
در بغل دیوان بکف جام شراب آید برون

ذیل میں لذتی کا منتخبہ کلام من و عن پیش کیا جا رہا ہے۔

انتخاب

غزلیاتِ لذّتی

زهی در دامنِ زلفِ تو یارائی توهمها — در آغوشِ نگاهت زعفران زادِ تبسّمها
چو بر طورِ دماغم نشأهٔ[1] مئے شود طالع — برنگِ آتشِ موسیٰ کند مستی تکلّمها
نه دل مینرند مضطرب بشوخیها چو می آید — بسازِ اختراعِ چشم و ابرو از ترنّمها
خوشا بزمی که شوقِ محفلش ذوقِ رسا باشد — کند ساقی می اندر جام از شوخیِ تبسّمها
هوای عشقِ مرغِ روح را پرواز می بخشد — صبا از مطلعِ خورشید اندوزد شبنمها
بنازم گردشِ چشمی که هرگه بسملش گشتم — چو طفلِ اشک می غلطم بدامانِ ترحّمها
چو گل لبریز رنگ و بوی شد چاک گریبانم — مگر آمد دل از بیدادِ چشمت تظلّمها
شهیدِ آرزوی او مگر آهی کشید از دل — که شمع لاله زار افروخت باد ارغِ تاملّها

چو فکرِ لذّتی نبضِ سخن بگرفت از شوخی
شفا سنجِ معانی شد بقانونِ ملازمها

---

[1] نشاء - نشه -

غـزل

آهوی شوخی نگاری چشمِ صیّاد ترا — سینهٔ دل لوحِ مشقی سنگِ بیداد ترا
جوی شیرین آب از موجِ خرامت یافته — زخمِ تیشه جامِ پرویز است فرهاد ترا
نگاهت می برد از کف عنان هوشیار انرا — تبسّمهای شیرین تو کافی مَی گسار انرا

شکستِ شیشهٔ ما سنگ بیدادی نمی خواهد | کفایت موجِ بی مهری هلاک خاکسار انرا
کمانِ تو ما متم بشکست شست چینِ ابروی | نوازد تیرِ مژگانش دلِ خاطر فگار انرا
چمن شد صیدگاه جلوه انگیزی ضیا باشی | بود هنگام سربازی بگلشن تاجدار انرا
ز لختِ دل بدامان گریه ام جدول طراز آمد | هوای رنگ ریزی باست طمع آبیار انرا
غبارِ شهد ما توتیای چشمِ نرگس شد | بلا گردان شوم تیغ نگاهِ دلشکار انرا
عرقناک[1] آمدی و گرم کردی آتشِ دلها | بودِ خاصیت می شبنم صبح بهار انرا

۱؎ ۔ برقناک، دھندلا سا پڑھا جاتا ہے۔

غزل

عشق چون از پردهٔ جان برکشید آهنگها | ارغنون[1] را گوش مالد نالهٔ دل سنگها
با وجودِ خوابناکی دل ز هوشیاران بهر | نرگسِ مخمور او دارد عجب نیرنگها
کاشتم تخمِ خیالش تا بدامانِ نگاه | سید مد از پردهٔ چشمم بهار رنگها
تا جنونم ابجدِ مهرِ بتان تعلیم داد | کودکان را شد سرِ ما لوحِ مشقِ سنگها
عشق را در کفر و دین یک ساز آهنگ است لیک | مختلف از پرده ها گردد نوای چنگها
کفر و دین اهلِ محبت در قفا نگذاشتند | شاطرِ انرا کی بود اندیشهٔ فرسنگها
لذتی را کیش و ملت بیش زین درکار بود | بعد تحقیق آفتِ این کار شد فرهنگها

۱؎ ۔ ارغنون: ایک ساز۔

غزل

جوشِ بهار آئینه عکسِ روی کیست | نقشِ چمن سبوی می رنگ و بوی کیست
شد خونِ گل سنبل ز تیغِ کرشمهٔ | بلبل بباغِ تشنه لب گفتگوی کیست

دلِ چو نمک زداز دمِ شمشیرِ عشوهٔ — این ماہیِ برشتہ طپان زآب جوی کیست
ہم نافِ عشق سوز دہم حسن را جگر — ...... لے شراب زجام و سبوی کیست
انجم چمن چمن گلِ داغِ محبت اند — خورشید حبہ حبہ عرق .... کیست
اندر شفق جز چاکِ گریبانِ لذتی — شام و سحر نشستہ فلک زآرزوی کیست

لے ۔ ابن الہش ۔ ؟

غزل

دوش شمشیرِ خیالی بر دلم خونریز داشت
اشکم ز خونِ شہیداں موجِ رنگ آمیز داشت
سرمہ می جوشد از نگاہم راز جوش
گلفروشِ جلوۂ بازارِ نرگس نیز داشت
رنگ و بوی گل غبارِ کربلای بلبل است
غمزۂ چشمم کہ یارب بر چمن مہمیز داشت
لالہ و بلبل خسِ سیلِ تماشای شود
حیرتم در باغِ حسن چشم طوفاں خیز داشت
نالہ با گلگونِ اشکم ہم عنانی می نمود
از طپیدن ہای دل در زیرِ ران شبدیز[لے] داشت
از غم شیرین لبی چند انکہ بر سر می زدم
تیشۂ فرہاد بر تنِ افسر پرویز داشت
در شکستِ شیشۂ ناموسِ دل بے باک بود
از خطِ نورستہ ساقی چو دست آویز داشت